اسلام اور معاشیات

ایک اصولی بحث

الطاف جاوید

معاشیات کی اہمیت :- اس صدی میں معاشیات کے علم نے جو حیثیت حاصل کی ہے وہ تاریخ کے کسی دَور میں اُسے حاصل نہیں ہوئی۔ آج انسان کی ذہنی، سیاسی اور تہذیبی زندگی میں تمام نئے رونما ہونے والے مظاہر اور واقعات کی سائینٹیفک توضیح اور تجزیہ معاشیات کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ مضبوط معاشی بنیاد کے بغیر کسی قوم کی فوجی صلاحیت، سیاسی استحکام اور فکری آزادی ممکن نہیں ہے۔ نہ صرف قومی سطح پر ہی بلکہ بین الاقوامی لحاظ سے جنگ کا خاتمہ اور پائیدار امن کی بحالی، پس ماندہ اقوام کی معاشی خوش حالی کے لئے امداد اور اقوام عالم کی تہذیبوں اور افکار کے باہمی تبادلہ کا انحصار بڑی حد تک معاشی قوت کی صحت مندی پر ہے۔

اس عہد میں جنگ، افلاس، بے کاری، جہالت، قتل و غارت اور آوارہ زندگی، وباء اور سیلاب جیسی معاشرتی بُرائیوں، فطری آفتوں اور اخلاقی خرابیوں کے سدِ باب اور ازالہ کے لئے سب سے بنیادی طریق معاشی پہلو کو انسانی تقاضوں کے مطابق منضبط کرنا اور اس پر قابو پانا ہے۔

دو گروہ :- پاکستان کی نظریاتی اساس چونکہ اسلام پر استوار کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں کا دانش ور اس بات پر مجبور ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبہ کے متعلق سوچ بچار کرے، اس کے متعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات کو نظر انداز نہ کرے۔ یہاں پر اسلام اور معاشیات یا اسلام کے معاشی نظام کے موضوع پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، اُسے دو عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے عنوان کے تحت وہ تمام ذہنی کوششیں آ جاتی ہیں جو ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ اور ایسے نظام معیشت کی حمایت کرتی ہیں جو نجی ملکیت کی اساس پر قائم کیا گیا ہے۔

دوسرے عنوان کے تحت وہ تمام افکار و دلائل آجاتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت ناجائز ہے۔

پیداوار کی نجی ملکیت کا حامی گروہ :- اس گروہ میں، جو اسلامی تعلیمات کی رُو سے ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کا قائل ہے ملک کے ممتاز مذہبی عالم اور مغربی تعلیم یافتہ مفکر شامل ہیں۔ اس گروہ کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسانوں کے درمیان معیشت کے مختلف درجات کو تسلیم کیا ہے۔ سورۂ زخرف میں ہے:۔

"کیا وہ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر دی ہے، اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو خدمت میں لگائے، اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے، جو وہ جمع کرتے ہیں" (الزخرف - ۳۲)

مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نے اپنی کتاب "اسلام کا معاشی نظام" میں اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں سوشلزم اور اسلام کے درمیان ایک واضح اور نمایاں امتیازی بات یہ قرار دی ہے کہ اسلام ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت پر مکمل تحدید عائد نہیں کرتا۔ جب کہ سوشلزم اس کے حق میں ہے، ہمارے فقہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ذرائع پیداوار پر تحدید کامل کا تصور کبھی نہیں رہا۔ اُس عہد کے ذرائع پیداوار میں سب سے بڑا ذریعہ زمین تھی، صرف امام ابوحنیفہؒ کا رجحان اس کی تائید میں تھا کہ زمین کو عوامی ملکیت میں رکھا جائے اور مزارعت و مضاربت کا نظام قائم کرنے سے پرہیز کیا جائے، مگر امام ابو یوسف نے حضرت امام کے اس رجحان میں ترمیم کر کے مزارعت و مضاربت کی اجازت دے دی۔ اُس عہد میں زمین کے علاوہ مشین اور سرمایہ کا بحیثیت پیداواری عوامل کے وجود نہیں تھا۔ اور جہاں تک محنت کا تعلق ہے، اُسے سرمایہ کی طرح پیداواری عوامل تسلیم کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مشارکت اور مضاربت کی اجازت دی گئی، تاکہ سرمایہ و محنت دونوں کی پیداواری صلاحیتیں معاشرہ کے کام آسکیں اور اسے ترقی دے سکیں۔

نجی ملکیت کا مخالف گروہ :- اس کے برعکس دوسرا نقطۂ نظر جو اشتراکی تصور کے

وجود میں آنے کے بعد تشکیل پذیر ہوا ہے، اشتراکی نظریۂ ملکیت کے تتبع میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کو کسی بھی تحدید کے ساتھ تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ محنت اکیلی ہی پیدائش کا بارآور ذریعہ ہے۔ زمین قدرت کا عطیہ ہے اور سرمایہ ومشین انسانی محنت کی تخلیق ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ حشر کی یہ آیت قابلِ غور ہے۔ جس میں فے یا غنیمت کے اموال کی تقسیم کا ذکر ہے اور اس تقسیم کی غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے۔

تاکہ دولت اغنیاء کے طبقہ میں ہی چکر نہ کاٹتی رہے۔ (حشر - ۷)

ایک حدیث شریف میں زکوٰۃ کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ توخذ من اغنیائھم، فترد فی فقرائھم۔ یعنی اغنیاء سے لینا اور فقراء کو دینا ــ سورۂ توبہ کی اس آیت میں زکوٰۃ و صدقات کے مصرف کا ذکر کیا گیا ہے:

"صدقات صرف ناداروں کے لئے ہیں اور مسکینوں اور کارکنوں کے لئے جو ان کے حصول پر مقرر ہیں، اور جن کی تالیف قلوب ضروری ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے، قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے، مسافر کے لئے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"

(توبہ - ۶۰)

اس آیۂ کریمہ میں حکومت کے عائد کردہ ٹیکس اور رضا کارانہ خیرات و صدقات دونوں کا مصرف عوام کی ضروریاتِ زندگی کو، اجتماعی اور انفرادی حیثیتوں سے پورا کرنا ہے۔

<u>قرآن کی راہِ راست سے انحراف کی وجہ</u>:- غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں موقف قرآنِ حکیم کی راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں نظریئے غیر قرآنی ہیں، اس لئے معاشرتی زندگی کی طرف اُن کا رویہ غلط ہے۔

<u>ضابطہ اور ہدایت میں فرق</u>:- اس سلسلہ میں ایک بات قابلِ غور ہے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے، مگر اس کے مفہوم پر کبھی تفصیلی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ لفظ ضابطہ (CODE) ایک قانونی اصطلاح ہے جس کا معنیٰ "قوانین کا مجموعہ" ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن زندگی کے تمام پہلوؤں کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ضابطہ یا مجموعہ قوانین

میں تبدیلیٔ حالات کی وجہ سے ترمیمات بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مگر اس اعتراف کے ساتھ ہی اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ ہر ضابطہ قوانین کا اپنا ایک مزاج یا منطقی تقاضا بھی ہوتا ہے۔ تمام ترمیمات اس مزاج اور منطقی تقاضے کے مطابق ہی کی جا سکتی ہیں۔ اس کے خلاف کوئی تبدیلی یا ترمیم ناقابلِ قبول ہوگی۔

اس نقطۂ نظر سے یہ لازمی ہے کہ اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات وقتی ہیں یا کرۂ ارض پر جب تک حیاتِ انسانی موجود ہے، اس وقت تک کے لئے منزل من اللہ ہوئی ہیں۔ ایک مسلمان کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ قرآنی تعلیمات یوم قیامت تک کے لئے ہیں۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانی قیامت تک کے لئے ایک ہی حالت میں جامد و ساکن رہے گی یا متغیر دارتقاء پذیر ہوتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ زندگی ایک متحرک وارتقاء پذیر حقیقت ہے۔ جب حیاتِ انسانی جامد و ساکن چیز نہیں ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی مجموعہ قوانین یا ضابطۂ حیات اپنی جزئیات اور تفاصیل کے ساتھ قیامت تک کے لئے مستقل حیثیت کا حامل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کا اپنا مخصوص مزاج ہر حال میں ہمیشہ قائم رہے گا۔

قرآن حکیم نے اپنی تعلیمات کو ہدایت سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن حکیم "ہدایت کامل" ہے۔ اور ہدایت کا تصور ہی اس قابل ہے کہ "حقیقت" کے بدلتے ہوئے احوال میں ہر نئے مرحلہ پر حیاتِ انسانی کی رہنمائی کرتا رہے۔ انسانی معاشرہ کتنے ہی ارتقائی منازل طے کرے مگر قرآن کی "ہدایات" ہر مرحلہ پر اُس کی رہنمائی کے لئے موجود ہوں گی۔

اس استدلال کی روشنی میں جب ہم اسلام اور انسان کے معاشی عمل کے تعلق پر غور کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار کی نجی ملکیت کے جواز پر زور دینے یا اُس کی تنسیخ پر اصرار کرنے والے دونوں نقطہ ہائے نظر حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ اگر ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کو قرآن یا اسلام کے "معاشی نظام" کی حیثیت دے دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کو کسی جامد و ساکن نظامِ معیشت کا پابند بنا دیا گیا اور جب معاشرہ اس مرحلہ سے آگے ترقی کر جائے گا تو یہ نظامِ معیشت اپنی فرسودگی اور ناکارگی کی وجہ سے پیچھے رہ جائے گا جس کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآنی تعلیمات دائمی اور ابدی نہیں بلکہ وقتی اور عارضی ہیں۔

جواز اور وجوب کا فرق :- دراصل بحث میں الجھاؤ اس لئے پیدا ہؤا ہے کہ جواز اور وجوب کے معانی میں جو فرق پایا جاتا ہے اُسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی یعنی "واجب" ناقابلِ تبدیل ہوتا ہے، جب کہ "جائز" کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ سے فقہاء اور مفسرین نے جن مسائل کا استنباط کیا، اُنہیں جواز کا مرتبہ دینے کی بجائے وجوب کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لئے فقہ اور دوسرے علوم میں تفرقہ پیدا ہو گیا، اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی۔ اگر فقہاء اور مفسرین کے بیان کردہ مسائل و قوانین کو واجب قرار نہ دیا جاتا تو قرآن کے سر افکار و معیشت کے جامد نظامات نہ منڈھے جاتے۔ کسی عہد کا مفکر اور قانون دان زندگی کے لئے پہلے سے تیار شدہ چوکھٹے سے باہر ہو کر نہیں سوچ سکتا۔ قرآن حکیم کے عہد میں جو نظامِ حیات رائج تھا، اُس عہد کے مفکرین نے اُس نظام کے منطقی تقاضوں کے مطابق مسائل کو حل کرنے اور افکار کو مدوّن کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یورپ کی نشاۃِ ثانیہ اور اشتراکی انقلاب نے تمام مسائل اور افکار کے زاویئے بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ ہر مسلم ملک میں جدید و قدیم کے تصادم سے نئے تقاضوں اور نئے مطالبات نے سر اُٹھالیا۔ ان نئے تقاضوں کو قبول کرنے والے مفکرین کو قدیم علوم سے تعلق رکھنے والے علماء قابلِ گرفت تصور کرتے ہیں، کیونکہ قدیم علوم کے حامل علماء نے ان علوم و قوانین کو "واجب" سمجھ رکھا تھا۔ حالانکہ وہ اپنی حیثیت میں "جائز" تھے ان کی جگہ آج نئے علوم و قوانین کا جواز تسلیم کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا ذرائع پیداوار کے نجی یا قومی ملکیت کے حق میں قرآن سے قطعی فیصلہ لینے کی کوشش کرنا ایک لاحاصل بات ہے۔

اس نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی وہ تمام آیات جو حیاتِ انسانی کے معاشی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں، کسی جامد نظامِ معیشت کی حامل نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت تو ہدایت یا رہنما اصول کی ہے، جو معاشرہ کو اپنے ہر ارتقائی مرحلہ پر نئی روشنی دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ امتِ مسلمہ کے قانون ساز اداروں کا فرض قرار پاتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان آیاتِ الٰہی کی روشنی میں اپنے لئے قوانین بنائیں۔ اس تاریخی صداقت کو نہ سمجھنے سے امتِ مسلمہ کا وجود کئی متضاد خانوں میں بٹ چکا ہے۔ اور قدیم و جدید کی باہمی کشمکش کی وجہ سے اس کی حالت نارو زبوں ہے۔

حکمت اور ہدایاتِ قرآنی :- قرآنِ حکیم نے مسائل حیات کے مطالعہ کرنے اور انہیں حل کرنے

کے لئے حکیمانہ تفکر کی ضرورت پر زور دیا ، اور حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ آیۂ کریم جس میں حکمت کے خیر کثیر ہونے کا تذکرہ ہے ، انفاق رزق کی بحث کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی انفاقِ رزق معاشرہ کی صحت و ارتقاء کی ضمانت ہے اور انفاقِ رزق کا رہنما اصول ہی حکمت ہے اور یہی خیر کثیر ہے ، جو معاشرہ انفاق رزق سے پہلو تہی کرے گا وہ تباہی کے گرداب میں پھنس جائے گا اور خیر کی برکات سے محروم رہے گا۔ رہی یہ بات کہ انفاقِ رزق کی 'شکل' کیا ہو ، تو اس کا تعین مسلم معاشرے کا اپنا فرض ہے۔ قرآن کا تقاضا "رزق کے انفاق" کا ہے ، اُسے ذرائع رزق کی نجی یا قومی ملکیت سے کوئی بحث نہیں ہے ۔ یہ کام مسلم دانش وروں اور ماہرینِ قانون کا ہے کہ وہ معاشرہ کے سائنسی مطالعہ سے معلوم کریں کہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کی تنسیخ سے انفاقِ رزق کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں یا اُسے قائم رکھنے سے۔

انفاقِ رزق کے اس عالم گیر قانون سے ، جسے قرآن نے حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ استنباط ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں کے متعلق جو بنیادی ہدایات دی گئی ہیں ، وہ ہدایات دراصل وہ عالم گیر عمرانی قوانین ہیں ، جن پر عمل پیرا ہونے سے ہی انسانی معاشرہ ارتقاء و استحکام حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہی عالم گیر عمرانی قوانین قرآن کے نزدیک حکمت اور خیر کثیر ہیں ، اور انہیں کو اُم الکتاب قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان عالم گیر عمرانی قوانین یا ہدایات یا حکمت میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ یہ طبیعیاتی قوانین کی طرح غیر جانب دار ، دائمی اور عالم گیر ہیں۔

معاشرے اونچ نیچ کا وجود :- قرآن حکیم کے نزدیک افرادِ معاشرہ کے درمیان اونچ نیچ ضروری اور ناگزیر ہے۔ ذہنی صلاحیتوں کا فرق ایک فطری بات ہے جسے انسانی کوشش ختم نہیں کر سکتی۔ اور اس فرق کے ساتھ ہی رزق میں درجات کا اختلاف بھی لازمی ہے۔ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اگر ذہنی صلاحیتوں میں باہمی فرق نہ ہو گا تو معاشرتی میل جول قائم نہیں رہ سکتا اور معاشرتی و تہذیبی میل جول اور داد و ستد ہی فکری ، سیاسی اور تہذیبی ارتقاء کی ضمانت ہے۔ چنانچہ سورۂ زخرف کی آیۂ مبارکہ میں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ، لفظ سخریا قابلِ غور ہے جس کا مفہوم ایک دوسرے کے کام آنے کا ہے نہ کہ استحصال کرنے کا۔ استحصال یعنی کسی کی محنت کے ثمر کو مکمل یا اس کا کچھ حصہ اجرت یا معاوضہ ادا کئے بغیر ہتھیا لینا ظلم ہے جبکہ ایک

دوسرے کے کام آنے یا مساوی سطح پر ایک دوسرے سے لین دین کرنا تقاضائے فطرت ہے۔ مضاربت اور مزارعت کے قوانین کو اگر عدل کی اساس پر مدوّن کیا جائے تو یہ سخریا کا مفہوم ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ ایک کی دولت یا زمین اور دوسرے کی محنت دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور دونوں شریکِ کار ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ استحصال کی موجودہ صورتوں پر "سخریا" کا اطلاق نہیں ہوتا۔

نفسیاتی ہدایات :- قرآن حکیم اپنے پیروؤں کو جس غلط اور تباہ کن عمل سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ صرف قوانین کے ذریعہ "یہ کر۔ وہ نہ کر" تک ہی اپنی تعلیمات کو محدود نہیں رکھتا، جب کہ عام طور پر صرف قوانین پر ہی بھروسہ کیا جاتا ہے، بلکہ اس عمل کے خلاف ایک ذہنی اور نفسیاتی فضا قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اس عمل کے تباہ کن اثرات کے خلاف فرد کے شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ایک بنیادی نفسیاتی قانون ہے کہ فرد جتنے ذہنی یا معاشرتی اعمال بجالاتا ہے، ان کے اچھے یا بُرے اثرات اس کی نفسیات کو تعمیر کرتے اور ذہنی روّیہ کی تشکیل کرتے ہیں، اور پھر جواباً دوسرے اعمال وافکار اُسی نفسیات اور ذہنی رویہ کے تحت سرزد ہوتے ہیں اور یوں اثر و تاثر، عمل اور ردّعمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

فرد کی غایتِ حیات :- زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق قرآن حکیم کی ہدایات اُس غایتِ اولیٰ کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہیں، جسے وہ فرد کا حاصلِ حیات اور اس کی تقدیر سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ غایت اپنے مبداءِ وجود کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اس رجعت کے لئے فرد کو اپنی شخصیت کی تعمیر اس طرح کرنا ہے کہ اس کی شخصی صلاحیتوں اور حیاتِ اخروی کے تقاضوں میں کوئی بُعد یا تفاوت نہ رہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو اس کی صلوۃ و تسبیح بتادی گئی ہے اور انسان کو بھی، جو کائناتی وجود کا ایک حصہ ہے، اپنے رب کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ چنانچہ معاشی ہدایات کا مقصود بھی ذاتِ خداوندی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے فرد کو تیار کرنا ہے، اسی لئے قرآن مال و دولت کے حصول، سیاسی اقتدار، جنسی لذات و خواہشات اور نام و نمود کے دوسرے ذرائع کو زندگی کا آدرش بنانے سے روکتا ہے (الفرقان۔ ۴۳)۔ کیونکہ زندگی کا اصلاً آدرش

تو ذاتِ باری کے قرب کا حصول ہے۔ اسی مقصد کے تحت انسانی شعور کی تربیت ایسے خطوط پر کی گئی ہے کہ وہ مال و اولاد اور جاہ و حشمت کو اپنا آدرش نہ بنائے، قرآن کہتا ہے کہ

"انسانی زندگی کو عورت کی، بیٹوں کی، اکٹھے کئے ہوئے خزانوں کی، سونے چاندی کی، نشان زدہ گھوڑوں کی، چار پایوں کی اور کھیتی کی محبت سے زینت دی گئی ہے یہ دنیوی زندگی کی متاع ہے، مگر اللہ کے پاس تو اس سے اچھی جگہ لوٹنے کی ہے۔" (آل عمران - ۱۴)

"دنیوی مسابقت نے تم کو غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔" (تکاثر - ۱)

"ہر عیب نکالنے والے اور غیبت کرنے والے پر افسوس ہے، جس نے مال اکٹھا کیا اور اُسے گن گن کر رکھا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اُسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔" (الھمزۃ - ۱-۲)

"دنیا کی زندگی لعو ولعب کے سوا کچھ نہیں۔ (محمدؐ - ۳۶)

حیاتِ دنیا اور متاعِ دنیا کے متعلق اس طرح کی اور بہت سی آیات موجود ہیں۔ ان آیات کی تعلیم سے قرآن فرد کے شعور کو بیدار کرتا، اُس کی نفسیات کی تشکیل کرتا اور ایک مخصوص ذہنی رویہ کی تعمیر کرتا ہے۔ تاکہ وہ موت کے بعد کی زندگی میں ناکام و نامراد نہ رہے۔

قانونی ہدایات :- اس نفسیاتی اور ذہنی فضا کی تیاری اور زندگی کی غایت اور صحیح آدرش کی تلقین کے بعد قرآن قانونی ہدایات کی طرف رجوع کرتا ہے اور نفسیاتی ہدایات کی طرح قانونی ہدایات کی غایت بھی متعین کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ حشر میں ہے :-

"اللہ نے اپنے رسولؐ کو بستیوں والوں سے، جو مالِ غنیمت دلایا تو وہ اللہ کے لئے رسول کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے، تاکہ دولت اغنیاء کے دائرہ میں ہی نہ پھرتی رہے۔ (الحشر - ۷)

انفاقِ رزق، تقسیم دولت اور دنیوی خواہشات اور آسائشوں کی طرف شدید رغبت سے پرہیز کی غایت یہ ہے کہ دولت طبقۂ اغنیاء میں ہی نہ پھرتی رہے، بلکہ اُسے نچلے طبقوں تک پہنچنا چاہیئے۔

سورۂ نحل میں ہے کہ

"اللہ نے تم ہی سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے، تو جنہیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اُنہیں نہیں دے دیتے جو اُن کے ماتحت ہیں تاکہ وہ اُس میں برابر ہو

جائیں۔ تو کیا تم اللہ کی نعمت سے انکار کرتے ہو" (النحل - ۷۱)

اس آیۂ کے دو اہم الفاظ "رادّی" اور "سوائ" کی تعبیر میں مفسرین نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض مفسرین نے فضیلتِ رزق کو ایک دائمی اور ابدی قانون تصور کرتے ہوئے اسے نعمتِ الٰہی قرار دیا ہے اور بعض نے اس آیۂ سے اپنے ماتحتوں کو رزقِ فاضل میں سے حصہ دے کر انہیں اپنے معیار اور حیثیت کے مساوی لانے کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے غلاموں کو وہ کھانا دو جو خود کھاتے ہو اور انہیں وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیۂ میں استعدادِ ذہنی میں مساوات مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اموال و اسباب میں مطلوب ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم نے دوسری جگہ مال داروں کے اموال میں محروم و سائل کے حق کا ہونا بتایا ہے۔ چنانچہ سورۂ ذاریات میں ہے،

" اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے" (الذاریٰت - ۲۰)

اس حق کو لوٹانے سے اُن پر معیشت کی تنگی دُور ہو جائے گی وہ سوسائٹی کے خوش حال طبقوں کی آسائشوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے اور اس طرح معاشرہ کے معاشی طبقات کے درمیان وہ فرق دُور ہو جائے گا، جو ایک طرف ارب پتی مالداروں اور دوسری طرف ایک وقت کی روٹی سے محروم افراد میں پایا جاتا ہے۔

زکوٰۃ :- اسلامی معاشرہ میں حکومت کی طرف سے ایک ہی ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ جسے قرآن زکوٰۃ کہتا ہے۔ زکوٰۃ کی شرح کے تعین میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نبی کریمؐ کے عہد میں شرح کی تعیین کر دی گئی تھی، اور اسی شرح سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔

اگر زکوٰۃ و صدقات کے تصرّف کی قرآنی مدّات پر غور کیا جائے، تو اُن مدات کے دائرہ میں اِس عہد کی پوری معاشرتی زندگی اور اس کے ادارے آجاتے ہیں، خشکی، آبی اور فضائی ذرائع حمل و نقل، عسکری قوت کی ضروریات، بوڑھوں، بے کاروں اور حادثات کا شکار ہونے والوں کی کفالت کا انتظام، معاشی لحاظ سے کم آمدنی والے طبقات کی رہائش، تعلیم اور دوسرے معاملات میں اُن کی امداد اور ان کے معیار زندگی کو اونچا کرنے کی تدابیر، بوڑھے اور آفت زدہ لوگوں اور دوسرے معذور افراد معاشرہ کے قرضوں کی ادائیگی کا بندوبست، محاصل، مالیات اور ٹیکس وصول

کرنے والے عملہ کی تنخواہوں اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے منصوبہ بندی، جیلوں کی اصلاح اور قیدیوں کے نفسیاتی علاج کے اداروں کا قیام، کی طرح کے اہم مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک مسلم معاشرے میں زکوٰۃ و صدقات سے حاصل ہونے والی رقم کافی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وصول کرنے اور خرچ کرنے کا صحیح بندوبست موجود ہو۔

سود :- سورۂ بقرہ میں ہے کہ

"اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا......... اگر تم نے سود لینا ترک نہ کیا تو خدا اور رسول کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔" (۲۷۵-۲۷۹)

سود موجودہ سرمایہ داری نظام میں ایک پیداواری امانت ہے، یعنی وہ رقوم جو لوگ بنکوں میں جمع کرواتے ہیں، اسی سرمایہ سے خود بنک یا دوسرے صنعت کار قرض لے کر مزید نفع کماتے ہیں۔ اگر بنکوں میں جمع شدہ رقوم پر سود نہ بھی لیا جائے تو بھی جمع شدہ دولت سے محنت کش کی محنت کے استحصال کا خاتمہ نہیں ہوتا اور غالباً اس عہد میں سود کی حرمت کے لئے یہی ایک پہلو کافی ہے۔ کیونکہ استحصال محنت سے حاصل شدہ سرمایہ ہی ارب پتی مالداروں کو پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اور قرآن حکیم اس سودی نظامِ معیشت کو قائم رکھنے پر اصرار کرنے والوں سے جنگ کر کے معاشرہ کو تباہی و ہلاکت سے بچانے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر آجر اور مزدور پر مشتمل طبقات کو ختم کر دیا جائے تو اس کی جگہ امداد باہمی کی تنظیمیں ہی لیں گی، جن میں درجات معیشت میں تو فرق رہے گا، مگر استحصال ختم ہو جائے گا۔

سود اور استحصال :- دراصل اسلام اور معاشیات کے تعلق پر لکھنے اور سوچنے والے سود اور استحصال شدہ قدرِ زائد کی ممتاز اختلافی خصوصیات پر غور نہیں کرتے۔ بنک اگر چند شرائط کے ساتھ سود کے بغیر قرضِ حسنہ دینے کے لئے تیار بھی ہو جائے، تو کارخانہ دار بنک سے حاصل کردہ رقم سے جو کارخانہ لگائے گا یا بنک خود اپنے سرمایہ سے جو صنعتیں قائم کرے گا، تو اس سرمایہ سے محنت کش کی محنت کا استحصال بدستور جاری رہے گا۔ کیونکہ محنت کے بلامعاوضہ حصہ کا حاصل سرمایہ دار کی جیب میں بلامحنت چلا جائے گا۔ استحصال اُس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک کہ مادہ میں قدرِ استعمال کو پیدا کرنے کا ذریعہ سرمایہ کی بجائے محنت کو تسلیم نہ کر

لیا جائے ۔ اس نظریاتی تبدیلی سے ہی محنت کو اس کا جائز حق مل سکتا ہے ۔

ایک اور نقطۂ نظر سے اس معاملہ کو دیکھا جا سکتا ہے کہ قدر زائد کو سود کے مترادف قرار دے دیا جائے ۔ کیونکہ سود دراصل بلا محنت آمدنی کا ایک ذریعہ ہے ۔ زید کے پاس کسی جائز یا ناجائز ذریعہ سے روپیہ جمع ہو گیا ، اور وہ عمر کو قرض دیتا ہے اور عمر کی کمزور حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سود کی شرح متعین کرتا ہے ۔ عمر کارخانہ قائم کر کے استحصالِ محنت کے ذریعہ سود سے بھی زیادہ آمدنی پیدا کر لیتا ہے ۔ لہٰذا جس طرح سود قرض خواہ کی کمزور پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر حاصل کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح مزدور کی تباہ حال حیثیت سے فائدہ اٹھا کر کارخانہ دار اس کی محنت کے مطابق ادائیگی نہیں کرتا ، بلکہ اس کی محنت کے حاصل کا کچھ حصہ بلا ادائیگی لے لیتا ہے ۔ دونوں کی نوعیت یکساں ہے ۔ اور ان معنوں میں سود اور استحصال شدہ محنت کا حاصل ایک سطح پر آ جاتے ہیں ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم قیامت تک کے لئے حق تعالیٰ کا نوعِ انسان کو آخری پیغام ہے اور قرآن مجید کے نزول کے عہد سے "وقت" کی حرکت ٹھہر نہیں گئی ہے ، بلکہ 'وقت' کی تخلیقی حرکت رواں دواں ہے اور رہے گی ۔ اور اس حرکت کی وجہ سے نئی معاشرتی تبدیلیاں عمل میں آتی رہیں گی ، اور ان تبدیلیوں کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے نئے اصول اور ضابطے مدوّن ہوتے رہیں گے ۔ اس لئے قرآن حکیم نے پہلے سے تیار شدہ جامد احکام و قوانین کو پیش نہیں کیا ۔ یہ ملت کے قانون ساز اداروں اور ماہرین کا فرض ہے کہ وہ اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق معیشت ، سیاست ، تہذیب اور تعلیم وغیرہ کے متعلق قرآن کی ابدی ہدایات کی روشنی میں ذیلی اور ضمنی قوانین و ضوابط تیار کرتے رہیں ، تاکہ ان ہدایات کی غرض و غایت ہر دور میں بطریق احسن پوری ہوتی رہے ۔